Gohar e tehqeeq گوہر تحقیق
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور

Year 2025; Vol 04 (Issue 01)

P. 37- 46 https://journals.gscwu.edu.pk/

حفصہ خان

لیکچرار، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین، سیٹلائٹ ٹاؤن، بہاول پور

Hafsa Khan
Lecturer, Govt Graduate College for Women Satellite Town, Bahawalpur.

تمثال: ایک تجزیاتی مطالعہ

Tamsal: An Analytical Study

Abstract:

"Dr. Tabsum Kashmiri, whose real name is Muhammad Salehin. It was 1960s when Dr. Tabassum Kashmiri, Jilani Kamran and Iftikhar Jalib came to the fore with the new movement. He presented inner sorrow, anguish, loneliness, caste problems, meaninglessness, observation of the universe and contemporary sufferings in glorious words. He is the shining star of Urdu literature. He has experimented in many genres, but in this article my topic is poetry. Especially his collection of poetry "Tamsal". This collection of poems really gives a powerful and excellent reflection on the selfishness, indifference, selfishness, malpractice and silence prevalent in the society.

It is known that the poet is intelligent and has a broader perspective, from whose eyes the social oppression and tyranny, the oppression of the cities, the lamentations and issues of the people are not hidden. For the narrative of its expression, he considered the poem to be the best and offered an apology. The poem with its beautiful title is the poet's first poetic effort. Which starts with "My prayer". In which good wishes are expressed for the safety of the entire universe. While the last two poems are based on the memory of friends and narrative of love. Therefore, "Tamsal" is a book about human attitudes, accents, words, inner fears, suffering of gain and loss and oppressed and forced man."

Keyword: Tamsal, New Poetry, Sad Eyes, Sorrow, Loneliness, Poem, Selfishness, Prayer, Narrative of Love & Social Oppression.

تمثال اصل میں عربی کا لفظ ہے جس کے معنی مجسمہ / تصویر کے ہیں جبکہ اشتقاق مثل ہے۔اس کے اردو معانی تصویر، پیکر، مورت، عکس، صورت یا شبیہ کے ہیں۔ ن۔م راشد اپنی نظم "رقص" میں حاصل ولاحاصل کے سلسلے کو موضوع سخن بناتے ہیں۔ زندگی سے فرار کا راستہ کبھی انسان کا اپنا فیصلہ بھی ہوا کرتا ہے۔ خواہشوں کی تکمیل نہ ہو سکے تو دیگر عناصر و عوامل بھی اس سے دور اور گریزاں سے محسوس ہوتے ہیں اور اس کا دل کہیں نہیں بہل پاتا:

ے تو مری ان آرزوؤں کی مگر تمثیل ہے

جو رہیں مجھ سے گریزاں آج تک! (1)

کلام میں کسی صورتِ حال، واقعہ یا منظر کی تصویر پیش کرنا محاکات کہلاتا ہے۔ حالات و واقعات کی تصویریں شاعری کا اہم حصہ ہوتی ہیں۔ اسے صورت گری یا امیجری بھی کہا جاتا ہے۔ پیکر تراشی لسانی رنگ میں تصویر بنانا ہے۔ اس کا تعلق جمالیاتی تجربات سے ہے۔ اس لسانی عنصر کی بدولت چلتی پھرتی تصاویر پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے معلوم ہوتی ہیں۔ پیکر تراشی لکھنے والے کی شخصیت کا عکس بھی ہے۔ تمثیل نگاری میں غیر ذی روح اور غیر ذی عقل چیزوں کو جان دے کر موضوع بنایا جاتا ہے۔ اس کا مقصد جذباتِ انسانی کی ترجمانی اور تزکیہ ہوتا ہے۔ جیسے سوالوں کی تازہ تولید، سبز باغ میں سرخ چڑیاں اور آشاؤں کے معصوم چہرے کی اصطلاحات ایک نظر میں خوب صورت معلوم ہوتی ہیں تو دوسرے ہی لمحہ میں جذبہ احساس سے روشناس کر کے دل پہ براہ راست اثر انداز ہوتی ہیں۔ مختلف شعراء کے ہاں یہ صورت و شکل الگ ہے۔ کہیں محبوب کی شبیہ تو کہیں حالات کا مجسمہ الغرض موقع کی مناسبت سے یہ شبیہ بنتی چلی جاتی ہے اور دیکھنے والے اس میں اپنا عکس تلاش کرتے ہیں۔

بقول مرزا غالب:

ے نہاں ہے گوہر مقصود جیب خود شناسی میں

کہ یاں غواص ہے تمثال اور آئینہ دریا ہے (2)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا حوالہ کوئی ایک صنف نہیں بلکہ وہ تحقیق، ادبی تاریخ نویسی، تنقید، شاعری، ترجمہ نگاری اور ناول کے میدان میں انفرادی مقام رکھتے ہیں۔ آپ کثیر الصفات کے حامل اور ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ 1975ء میں ارسلان پبلی کیشنز، لاہور سے ان کا پہلا شعری مجموعہ "تمثال" شائع ہوا۔ اس کا پیش لفظ نامور محقق، ناول نگار، افسانہ نگار، مترجم اور شاعر انیس ناگی نے تحریر کیا۔

انیس ناگی کا کہنا کچھ یوں ہے:

"مجموعی اعتبار سے تبسم کاشمیری کی نظموں میں
عہد حاضر کی تمثال ایک آزردہ خاطر اور مغلوب
انسان کے روپ میں نمایاں ہوتی ہے۔" (3)

سرمد صہبائی جو کہ شاعری، ڈراما، فلم، تھیٹر اور ہدایت کاری کے حوالہ سے معروف ہیں، رقم طراز ہیں:

"تشکیک، استفہام اور انکار! تبسم کاشمیری کی
منزل اسی آگہی کی دریافت ہے کہ کرب اور
لاحاصلی کا یہ سفر طبقاتی شعور کی طرف ہے۔"

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا شعری مجموعہ "تمثال" 1964ء سے 1981ء کے دوران میں لکھی گئی 56 نظموں پہ مشتمل ہے۔ یہ نظمیں منفرد اسلوب کی حامل ہیں۔ کبھی بازگشت سنائی دیتی ہے تو کبھی ان نظموں میں دعاؤں، جذبوں، صداؤں، اعصاب کی بے چینیوں، ہونے نہ ہونے کے خیالوں، اداسیوں، ناآسودہ خواہشوں، زرد راتوں، عجب خوابوں، انکار کی سرحدوں، زوال کی چیخوں، زہریلی طنابوں اور سمندر کی گہرائیوں کا تذکرہ ایسے الفاظ کے چناؤ کے ساتھ کیا گیا ہے کہ قاری کو گمان ہونے لگتا ہے وہ منظر بعینہ میرے سامنے ہے۔

ڈاکٹر صدف بخاری "ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی منتخب نظمیں—ایک تنقیدی جائزہ" میں لکھتی ہیں:

"ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی یہ نظمیں ساٹھ کی دہائی میں متعارف
ہونے والے ایک نئے شعری اسلوب کی نمائندگی کرتی ہیں۔" (4)

بالعموم آپ نے اپنے کلام میں تصنع اور مافوق الفطرت کیفیات کی بجائے زمینی حقائق کی عکاسی کی ہے۔ وہ معاشرے کے جبر کو دلیری کے ساتھ رقم کرتے ہیں کہ سرِشام مغربی سمت ابھرنے والے غم کے بادل اور ہزار پائے کی مانند ہمارے گرد و پیش میں کچھ عناصر ناسور کا کردار نبھا رہے ہیں۔ عہد جدید کا انسان خواہشات اور جذبات کے بوجھ تلے، بناء کسی منزل یا ہدف کا تعین کیے شب و روز کولہو کے بیل کی مانند تھکا ماندا نظر آتا ہے۔ اور خاموشی کی رم جھم اسے لب کشائی کرنے سے روک رہی ہے۔ بوجھل، یکساں اور بے حیا چہرے جذبات سے مبرا ہیں۔ اس کے بہی خواہ جو اسے خیر و شر کے درمیان فرق کرنے کا ہنر سکھاتے تھے۔ وہ

نجانے کن نامعلوم دریاؤں کے پار پر سکون وادیوں کے باسی بن چکے ہیں کہ تاحال نہیں لوٹے اور خواب کا شہر بھی ٹوٹا نہیں۔ ڈاکٹر عاصمہ اصغر اس اولین شعری مجموعہ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"ان کا پہلا مجموعہ "تمثال" اس حوالے سے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ
اس میں ان کے عین جوانی کے عالم کے محسوسات جمع ہو گئے ہیں۔" (5)

سکوت اور انجان ہو جانا فرد کے لیے سبھی اطراف سے لہو کے پیالے مزین کرتا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ وہ کب تک یوں ہی فضاؤں اور ہواؤں میں مستغرق رہے گا؟ بھاری بھرکم روز و شب اور مصروف ترین اوقات کار آخر کب فرحت و تازگی سے روشناس ہو کر اس کی مضمحل طبیعت کو سرشار کریں گے؟ ایسے عالم میں مہینے بھی ستم کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی حدت و تمازت سے، تو کبھی طوالت و گرماہٹ سے۔ یوں ان کی شدت کسی طور انہیں دم نہیں لینے دیتی۔ ان بے حس ساعتوں میں خزاں کے مناظر میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ تارے بھی اس کے تعاقب میں اپنی رفتار بڑھا لیتے ہیں مگر وہ رفقاء کبھی نہیں لوٹ کر آتے جن سے زندگی کا گمان ہونے لگتا ہے۔ ایسے عالم میں سوائے دعا اور صبر کے کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

نظم "ایک دعا" انہی جذبات کی عکاس ہے:

ے رات بھر کے بجھے آنسوؤں کے لیے
اور میری دعا ہے
زمینوں کی زرخیزیوں کے لیے
وادیوں کے لیے، موسموں کے لیے
راہیوں کے لیے، راستوں کے لیے (6)

شہر جو کہ انسان کی رہائش و مقام کے انتظام کا ضامن ہوتے ہیں۔ ان میں قائم امن و امان سکون کی کیفیت فراہم کرتا ہے۔ انسان شہروں میں مختلف آسائشوں سے فیض پاتا ہے۔ مگر خود انسان نفسا نفسی کے عالم میں شہروں کو نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کرتا۔ کہیں کوئی آفت میں مبتلا نظر آتا ہے، تو کہیں شہر کے وسط میں لگی آگ اسی کے باسیوں کے لیے وبال جان بن جاتی ہے۔ کہیں کوئی شہر کسی کے لیے خواب اور آرزو کا استعارہ بن جاتا ہے۔ اور تو اور شہر کا شہر کالے عذاب میں گھرا دکھائی دیتا ہے۔ اس دوران میں شاعر اس کے در و دیوار سے محبت کرتے اور والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ معمولی چیزوں سے محبت کرتے ہیں۔ ان شہروں کے آباد ہونے پہ خوش اور زوال آمادگی پہ افسردہ ہو جاتے ہیں کہ شہروں کا ہنسنا ان کا ہنسنا اور

شہروں کا ویران ہونا انسان کا رونا ہے۔ شاعر کے مطابق شہر بھی آنکھ، بازو اور جسم رکھتے ہیں۔ تباہی اور ویرانی کے دوران میں ان کی آنکھیں روتی، بازو دُکھتے اور جسم جلتے ہیں، مگر ان کے غم سے کوئی راہرو آشنا نہیں ہے یا احساس اور مروت کا حامل نہیں ہے۔ خواہ ان شہروں کا اجڑنا انسانی ہاتھوں سے سرانجام پائے یا آسمانی آفت کی بدولت ہو۔ بہر حال آنکھوں کو نم اور دلوں کو افسردہ ضرور کر دیتا ہے۔

نظم "شہر کے وسط میں آگ" سے مثال ملاحظہ کیجیے:

؎ شہر کے وسط میں آگ لگی ہے
پیاری اور معصوم آشائیں گھر کے کونوں کھدروں میں
محفوظ پناہیں ڈھونڈ رہی ہیں
آشاؤں کے پھول سے چہرے
بازو ہاتھ اور چاند سے پاؤں
سب کے سب بے شکل ہوئے ہیں
بدہیئتی پر چیخ رہے ہیں (7)

شہر کے اعضائے جسمانی سر تا پا دکھ کا نمونہ معلوم ہوتے ہیں۔ آگ کی حدت سے سرخی نمایاں ہے۔ بچوں کی آنکھوں میں چھپا خوف پوشیدہ نہیں رہا۔ بڑے بوڑھوں کی نگاہیں صدموں سے گھائل ہیں۔ خوشیوں کے پنجر ملبہ کا ڈھیر بنے دب چکے ہیں۔ سسکیاں شہر کی، آنسو، چیخوں کی گونج اور جلتی بجھتی راکھ شہر کے نوحہ خواں ہیں۔ نظم "ہزار پایہ" علامت کا استعارہ اور ملکی صورت حال کا نظارہ ہے۔ گلیوں، محلوں، بازاروں، دفتروں الغرض سارے ملکوں پہ ہزار پایوں کا تسلط قائم و دائم ہے۔ گھائل نعشوں کے گرد ناچ تماشہ، خون پینا، چیخنا چلانا، جسم الغرض شہر کا چہرہ زردی مائل اور لہو لہو ہے۔ کالی سیاہ چیچک شہروں کے چہروں پہ واضح ہے۔ زرد ہاتھوں کی سسکیاں شہر کی فضا کا ہیبت ناک منظر پیش کر رہی ہیں۔ افسوس کہ ہزار پایوں کا تسلط ٹوٹتا ہی نہیں اور شہروں پہ جمی ہوئی کالک ہٹتی ہی نہیں۔ کائنات کے کونوں سے آواز ابھرتی ہے۔

نظم "کب سے اپنی تلاش" میں اس آواز کی نامعلوم سمت کا اندازہ لگائیے:

؎ نئے سوال اب زمین کے سینے میں اگ رہے ہیں
میں کیا ہوں کیوں کر ہوں کس لیے ہوں؟

نئے سوالوں کی تازہ تولید ہو رہی ہے

نئے سوالوں کی تازہ تولید تازہ موسم کی گزر گاہوں سے ہو رہی ہے (8)

شاعر کا سوال اپنے طور پر موجود رہتا ہے کہ یہ تلاش نہ جانے کب سے ہے۔ زمین کے تلوے چاٹتا، پوشیدہ سطحوں پہ جھانکتا، ساحل کی تراشوں میں لڑھکتا، دلدل کی اتھاہ میں جکڑا ہوا بشر، حیات کے مہیب جنگل میں گم ہو جاتا ہے۔ کبھی سبز کائی میں کھو کر زمیں کے چہرہ پہ ریزہ ریزہ ہوتا ہوا نشان سے بے نشان ہوتا ہے۔ اس کے سفر میں قدم قدم پہ رنگ اڑتے ہیں۔ کبھی جمتے تو کبھی رینگتے ہیں۔ زمانے کی پختگی میں متلاشی و محو انسان آگہی سے نابلد ہے۔ آگہی کی عظیم یورش سے وہ کیسا ہو جائے گا؟ پھٹ نہ جائے گا؟ یہ سوچ کر وہ بکھر رہا ہے۔ بوجھل چہروں کے کرداروں میں لپٹی کہانیاں، صدیوں کی میراث کے عوامل کو بیان کرتی ہیں۔

محمد امجد عابد اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

" تبسم کاشمیری اور ان کے عہد کے دیگر شاعروں کا یہ المیہ ہے

کہ وہ ایسے دور میں زندہ ہیں جس میں معاشرہ تباہ حال ہے۔" (9)

شب و روز کے مراحل اور کھارے موسم کے تبدل کا مارا انسان الجھن کا شکار ہے۔ وہ کسی ذائقہ و لطف کا حامل نہیں رہا۔ حتیٰ کہ رنگ بے رنگی کا شکار ہو کر بے حسی میں اضافہ کا سبب بن رہے ہیں۔

ذات کے مراحل میں فرد اپنے آپ سے اجنبی ہونے لگا ہے۔ گردش لیل و نہار کا شکار انسان خاموشی میں اپنی پناہ ڈھونڈنے لگتا ہے۔ مگر یہ خاموشی جب حد سے بڑھ جائے تو اس کے اعصاب جواب دینے لگتے ہیں۔ بے چینی میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ ان کی دو نظمیں "چپ کی بارش" اور "چپ کا سناٹا" اسی طرح کی فضا کی عکاسی کرتی ہیں۔

ے میرے اندر چپ کا اک سناٹا بجتا رہتا ہے (10)

مذکورہ بالا مصرعہ تکرار کی مثال ہے۔ یہ مصرعہ نظم "چپ کا سناٹا" میں مستعمل ہے۔ لہو کے پیالے سجائے، جسم کی فصیلیں اٹھائے خلا کا سینہ زخمی ہے مگر محمد صالحین المعروف ڈاکٹر تبسم کاشمیری حالات کی سنگینی کے باوجود خدا کے حضور دست بدعا ہیں کہ مایوسی ان کا شیوا نہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

"رب کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔" (11)

اس لیے وہ ماحول کی سنگینی اور لوگوں کی بے چارگی دیکھ کر اس کے دربار سے وابستہ ہیں کہ حالات ضرور بدلیں گے۔ "لہو کے پیالے سجائے رکھنا" 9 اشعار پہ مشتمل یہ نظم عمدہ لب ولہجہ کی حامل ہے۔ شاعر حالات کی تلخی کو محسوس کرنے کے باوجود پر امید ہیں کیونکہ دنوں کا تبدل، زوال کو کمال میں بدل دیتا ہے۔ یہ تبدل مظاہر فطرت میں سے بھی ہے کہ سدا بہار، زوال اور دکھ کا موسم قائم نہیں رہتا:

؎ دعا یہی ہے کہ آنگنوں میں چہکتے پنچھی چہکتے جائیں
سبز باغوں میں سرخ چڑیاں
جو اڑ رہی ہیں وہ اڑتی جائیں
چمن میں اشجار ہرے بھرے ہوں (12)

خواہش، خواب اور یادوں کی مثلث انسانی زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہے کہ یہی وہ جذبات وعناصر ہیں جن سے زندگی میں دم ہے۔ رونق قائم ہے۔ ان ہی کی بدولت زندگی رنگوں سے کھل اٹھتی ہے۔ آنکھوں میں دھنک کے رنگ عود کر آتے ہیں۔ کہیں خزاں کے فرش پہ زرد رنگ کی دھوپ اپنی چھاپ چھوڑنے لگتی ہے۔ تو بادبانوں سے خزاں کے رنگ بکھرنے لگتے ہیں۔ تھکے ہارے پرندے اس وقت ساحل کو لوٹتے ہیں۔ گھنٹیوں کے شور میں کوئی کسی کا منتظر اداس آنکھوں سے مسکراتا ہے۔ کسی کا متلاشی نم آنکھوں سے آس کے دیے بجھنے نہیں دیتا۔ دور کے سفر پہ روانہ ہوتا مسافر یاس اور اداسی کے باعث روانگی کا آنسو نوش کر کے رخت سفر باندھ لیتا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر مسرور فاختہ بھی خموشی کو اپنی آماجگاہ بنالیتی ہے۔ یہ خیال شاعر کے خیال وخواب سے محو نہیں ہوتا۔

خادم حسین رائے تجزیہ میں بیان کرتے ہیں:

"ان کی محسوسات کی سطح اتنی بلند ہے کہ معمولی
سے معمولی خیال بھی منفرد نظر آتا ہے۔" (13)

نظم "کب تک معلق" سرزمین دنیا پہ ہوتے ہوئے ظلم وجبر کا بیانیہ ہے۔ ہر ایک اقتدار کا حامل ہونا چاہتا ہے۔ بے بسی اور مظلومیت کی شکار عوام کو کہیں جائے پناہ نہیں ملتی۔ یوں لگتا ہے کہ وہ خلا میں ہی لٹکے ہوئے ہیں۔ ہاتھ بلند اور جسم لرزیدہ ہیں۔ منتظر ہیں کس چیز کے معلوم نہیں؟ کشمیر، فلسطین، یوکرین اور روس کے باسیوں پہ ہونے والا ظلم اس کی جدید ترین مثال ہے۔ جبر کی یہ رِیت کیوں نہیں بدل پا رہی۔ فقط قہر وانتقام۔۔۔۔

ے یہ شہروں کے چہروں پہ لکھے ہوئے سرخ نوحے
ہر اک آنکھ میں تیرتا اور بپھرتا ہوا خوں معلق
ہر اک شے معلق
اندھیرے خلاؤں میں کب تک معلق؟ (14)

نظم "اعصاب کی چرچراہٹ" بدنی نظام کے مسائل کو بیان کرتی ہے۔ جمی ہوئی کائی، زہر جلتا بدن، زہر آلود نفرت، بے زور اعضا، ماحول سے اکتائے اور بے بس ہیں۔ گھٹن اور حبس کا موسم ہے۔ مکالمہ اور استفہام کی آمیزش نے نظم کا اسلوب نہایت خوب صورت کر دیا ہے۔ ہونے نہ ہونے اور فرد کی تلاش و تنہائی کے کرب کو خوب طرز میں پیش کیا گیا ہے۔ جلوس، خوف، واہمہ اور خزاں کے زرد ماحول نے اطمینان کو دور بھگا دیا ہے۔ تبھی تو ذات کے مسائل جنم لینے لگے ہیں۔

ے یہ کون سے نقش بن رہے ہیں
میں بن رہا ہوں، میں مٹ رہا ہوں
کہ میرے رستے میں ایسی کوئی حدیں نہیں ہیں
جو مجھ کو روکیں (15)

ان کے شعری مجموعہ کی آخری دو نظموں "صدیق جاوید کے نام" اور مراتب اختر کے نام" میں بے ساختگی، روانی اور جذبوں کا عمدہ اظہار پایا جاتا ہے۔ صاحب کلام کا انداز اپنائیت سے بھرپور ہے۔ وہ ہمراہی جو شاعر کے ساتھ وقت بتاتے اور اچھے برے دن گزارتے تھے۔ وہ اب نامعلوم سفر کی جانب روانہ ہو چکے ہیں۔ ان سے رابطہ منقطع ہے لیکن ان کی یادوں کے بے نام جزیروں سے ان کی آواز سنائی دیتی ہے۔ شاعر بے چین اور اداس ہو کر انہیں پکارنے لگتا ہے۔

"مراتب اختر کے نام" میں ڈاکٹر صاحب کا انداز ملاحظہ کیجئے:

ے میرے خط کو تمہارے گھر کا راستہ
یاد ہے
اب بھی یاد ہے
مراتب اختر! کہو کیسے ہو؟
ٹھیک ہو نا؟ (16)

یہ جانتے ہوئے بھی کہ جانے والے لوٹ کر کبھی نہیں آتے، شاعر کو چین نہیں مل رہا کہ وہ انہیں سرمایہ حیات گردانتا ہے۔ جن سے لمحہ بھر کو غافل ہونا دل برداشت نہیں کر سکتا۔ الغرض 56 نظموں کا یہ شعری مجموعہ تنہائی، سناٹا، زوال آمادہ صورت حالاور معاشرتی صورت حال کا زبردست بیانیہ ہے۔ شاعر نے کمال مہارت سے لفظوں کو موتیوں کی لڑی میں پرو کر معاشرے کے تلخ، کڑوے، کسیلے بلکہ زہریلے حقائق کو عیاں کر دیا ہے۔ وہ حالات کی سنگینی کو جانچنے، پرکھنے، پیش کرنے کے بعد امید سحر کا پیغام دیتے ہیں۔ نوید صبح کا استعارہ ان کے ہاں خوب صورتی کا غماز ہے۔ زوال، تاریکی اور سناٹے کے باوجود وہ کمال، اجالے اور خوب صورت آواز کے سحر بھرے ماحول کے منتظر ہیں۔

حوالہ جات

1. https://rekhta.ht/a/oiio/3
2. http://www.rekhta.org>asarsoz

3. تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،"تمثال"،(لاہور:ارسلان پبلی کیشنز،1975ء)،ص12
4. صدف بخاری،ڈاکٹر،"ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی منتخب نظمیں–ایک تنقیدی جائزہ" بازیافت،26،(لاہور: شعبہ اردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی،جنوری تاجون2015ء)
5. عاصمہ اصغر،ڈاکٹر،"ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا شعری سفر "مشمولہ ششماہی" تحقیقی زاویے"، جلد:7،(بھمبر:الخیر یونیورسٹی، بھمبر،جون 2016ء)،ص2
6. تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،"تمثال"،مشمولہ "پرندے پھول تالاب"،ص13-12
7. تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،"تمثال،ص84
8. تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،"تمثال"،ص102
9. امجد عابد، محمد،"ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا شعری سفر "،(رسالہ:معیار ششماہی والیم16-15،2016ء)،ص202
10. تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،"تمثال"،ص131
11. قرآن اظلم،سورہ:الزمر،آیت53
12. تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،"تمثال"،ص134
13. خادم حسین،رائے،"ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی شعریات کا فکری ولسانی تجزیہ"،(لمز یونیورسٹی،بنیاد، جلد:9، 2018 ء)ص247،
14. تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،"تمثال"،ص:138
15. تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،"تمثال"،ص29
16. تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،"تمثال"،ص168